

فرزندِ ذبیحین ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

رسول اولین و آخرین ﷺ، کا فرمانا یہ ہے کہ میں دو ایسی ہستیوں کا فرزند بھی ہوں (۱) جنہوں نے اپنے وقت میں اللہ رب العزت کی خوشنودی و رضا کے لئے اور اپنے اپنے والد کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا، ان دونوں ہستیوں نے اپنے اپنے والد کے خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے، بلا چون و چرا، ان کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے ذبح ہونے کے لئے اپنی گردن جھکا دی تھی، ان دو ہستیوں میں سے ایک تو سیدنا اسماعیل ذبح اللہ علیہ السلام ہیں جو تمام عدنانی عربوں کے جدِ اعلیٰ ہیں بلکہ قحطانی عربوں کے جدِ اعلیٰ بھی (۲) وہی ہیں، یوں گویا یمن میں آباد ہونے والے جنوب کے عرب ہوں یا شمال میں سرزمین حجاز کے عرب ہوں، سب کے سب سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام، کی اولاد سے ہیں اور وہ گویا جدِ العرب کلہم ہیں، ان کے والد سیدنا غلیل اللہ علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے پلوٹھی کے فرزند عزیز اسماعیل علیہ السلام، کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کر رہے ہیں، نبی کا خواب بھی فیضانِ وحی اور حکم ربانی کی مترادف ہوتا ہے، اس لئے باپ نے جب بیٹے کو اپنا خواب سنایا تو بیٹے نے صبر و شکر کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیا، اس لئے وہ ذبح اللہ کہلائے۔

ایسی ہی دوسری ہستی عبدالمطلب کے گھرانے کے یکتائے روزگار ”حضرت عبداللہ“، ہیں، انہوں نے بھی وقت آنے پر اپنے والدِ گرامی حضرت عبدالمطلب، سلام اللہ علیہ، کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا اس لئے وہ بھی ذبح اللہ کہلانے کے حقدار مانے گئے ہیں، البتہ یہ بات واضح ہے کہ ایک تو حضرت عبدالمطلب بلاشبہ اہل اللہ میں سے تو تھے مگر وہ نبی یا رسول نہیں تھے، پھر یہ بات بھی ہے کہ حضرت عبداللہ کو ذبح کے لئے پیش کرنا والد کے خواب کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ ایک مشکل وقت میں جب ان کے صرف ایک اکیلے فرزند مددگار اور معاون تھے اور وہ تھے حضرت الحارث بن عبدالمطلب جن کی معاونت سے والد نے اپنی مشکل تو سر کر لی تھی مگر اس موقع پر یہ خیال آیا تھا کہ کاش میرے بیٹے زیادہ ہوتے تو میری مشکل اور بھی آسانی سے سر ہو جاتی پھر معاً یہ خیال آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ تعداد دس کر دے تو ان دس میں سے کسی ایک کو میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دوں گا، قدرت نے ان کی تمنا پوری کر دی اور نذر پوری کرنے کا موقع آ گیا تو

وقتِ محنت می بری ز اللہ ہو چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو

قرعہ اندازی ہوئی جس میں عبدالمطلب کے گھرانے کے ایک ہی ”عبداللہ“، کا نام نکل آیا، اس موقع پر حضرت عبداللہ نے بھی والد کی نذر کی تکمیل اور حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو سنت خلیل اللہ اور ذبیح اللہ علیہ السلام کی یاد تازہ ہوگئی اور حضرت عبداللہ بھی امت مسلمہ کی نظر میں ذبیح اللہ قرار پائے، رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ سیدنا اسماعیل علیہ السلام تو بلاشبہ از روئے قرآن کریم ذبیح اللہ ہیں (۳) مگر رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی سنت خلیل و ذبیح اللہ کی یاد تازہ کرنے کے باعث ذبیح اللہ (اللہ کی راہ میں قربان ہونے والے) کہلانے کے حقدار قرار پائے اسی لئے یہ فرمان مصطفیٰ ﷺ، بالکل برحق ہے کہ ”انسا ابن الذبیحین“، (میں اللہ کی راہ میں قربان ہونے والی دو بیٹیوں کا فرزند ہوں) یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے جو قدرت خداوندی کا کرشمہ بھی ہے۔ (۴)

یہ تو ہے اجمال جس سے بات مبہم اور وضاحت کی محتاج رہتی ہے، چونکہ اس بات کا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مفاخرت و مباہات سے ہے اور اس کا تعلق ان کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے شرف و امتیاز سے بھی ہے اس لئے اس داستان حقیقت کی کچھ توضیح و تشریح کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے! اسی ضمن میں کچھ سوالات ہیں جن کے مفصل اور تسلی بخش جوابات سے ہی اس ابہام کی وضاحت اور اس اجمال کی تفصیل بھی وابستہ ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عبدالمطلب کا نذر ماننا معتبر کتب تراجم، سیرت اور تاریخ سے ثابت ہے اور یہ بھی کہ نذر ماننے کا پس منظر کیا تھا؟

تقریباً تمام معتبر اور مسلم کتب سیرت، تاریخ اسلام اور تراجم رجال میں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی اس نذر کا ذکر ہے، انہوں نے ایک مشکل وقت میں اپنے ایک خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے قریش مکہ کے تمام لوگوں سے مدد مانگی تھی مگر اول تو کوئی ان کے خواب کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا اور اکثر نے اسے خواب پریشان قرار دیا اس لئے سوائے ان کے بڑے، اور اس وقت اکلوتے بیٹے کے، کسی نے بھی ان کی مدد نہ کی، اس لئے انہوں نے حسرت بھری دعا کے ساتھ یہ نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دس (یا بارہ) بیٹے عطا فرمائے تو میں ان میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا، ایک مدت کے بعد جب ان کی یہ منت پوری ہوگئی تو انہوں نے سنت ابراہیمی کو تازہ کرنے کے لئے ایک بیٹے کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا، لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور انہیں اپنی نذر سے آگاہ کیا

مصیبت کے وقت تو اللہ کا یہ لگا لیتا ہے، جب وہ ختم ہوئی تو کہتا ہے راستہ کدھر ہے

تو سب نے یک زبان ہو کر تسلیم ختم کر دیا اور فیصلہ اپنے والد پر چھوڑ دیا کہ جسے وہ چاہیں اپنے رب کی خوشنودی کے لئے ذبح کر دیں! والد کے لئے یہ بھی ایک امتحان تھا، دانا و بینا باپ میں بھی یہ ہمت تھی کہ وہ ایک سے ایک کڑیل جوان کو خود پکڑ کر اس کے گلے پر چھری پھیر دیں، اس لئے معاملہ تقدیر خداوندی کے سپرد کرتے ہوئے قرعہ اندازی کا حکم دیا اور قرعہ فال عبدالمطلب کے گھرانے کے یمتائے روزگار بیٹے عبد اللہ کے نام کا نکلا!

اس کا پس منظر یہ ہے کہ چاہ زم زم، جو نتیجہ تھا جبرائیل امین علیہ السلام، کے پر مارنے کا، جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے اپنے پر مبارک سے زمین کا سینہ چیر کر بیت اللہ کے جوار میں پیاس سے بلکتے اور زمین پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے ننھے اسماعیل علیہ السلام، کے لئے پانی فراہم کر دیا، وہی چاہ زم زم جو اشرا بنی آدم کے جرائم اور انسانیت دشمنی کے شیطانی ہتھکنڈوں کے سبب نیست و نابود ہو چکا تھا، لوگوں کی زبانوں پر صرف چاہ زم زم کا نام باقی رہ گیا تھا مگر اصل محل وقوع بھی کسی کو معلوم نہ تھا، لوگوں نے اپنے اپنے اندازہ سے بیت اللہ کے آس پاس کنویں کھودنے کی کوششیں کی تھیں مگر کسی کنویں سے آب زم زم نہ نکل سکا تھا، ہر کنویں کا پانی ایسا ہی کھاری اور کڑوا نکلتا تھا، جیسے آج بھی مکہ مکرمہ کے مختلف کنوؤں کھدروں میں، آس پاس کے لوگ کنویں تو لگاتے ہیں مگر کہیں سے بھی ”آب زم زم“ نہیں میسر آتا، اس لئے لوگ کل کی طرح آج بھی اپنے ان کنوؤں کو پاٹ دیتے ہیں! (تاریخ بعض ایسے نخریلے لحدین کے نام بھی بتاتی ہے جو مقدس و مطہر صحت مند آب زم زم سے محض اس لئے ناک بھویں چڑھاتے تھے کہ اس سے بنو اسماعیل اور بنو ہاشم کے تقدس اور عظمت کی بو آتی ہے، ایسا ہی ایک اموی جرنیل اور گورنر خالد بن عبد اللہ قسری (۵) بھی ہوا ہے، ایک اور اموی جرنیل اور گورنر حجاج بن یوسف نے پرامن بیت اللہ میں پناہ لینے والے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے بیت اللہ شریف پر متخفق سے بمباری کرنے کا بھی حکم دیا تھا)

زمانہ قدیم سے اور خصوصاً قصی بن کلاب بن مرہ کے زمانہ کے بعد سے، قریش مکہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے آنے والوں کو اللہ کے مہمان سمجھ کر کھانے پینے کا سامان فراہم کیا کرتے تھے، لیکن زم زم کے مفقود ہو جانے کے باعث اچھا پانی فراہم کرنا بہت بڑا مسئلہ تھا، سقایت، رفاوت یعنی پانی مہیا کرنے اور کھانا کھلانے کی ذمہ داری لینا، جب رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے کندھوں

پر آن پڑی تو انہیں بڑی فکر ہوئی، ان کی تمنائیں اور اکثر دعا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح آب زم زم تک رسائی آسان فرمادے، قدرت خداوندی بھی دیکھ رہی تھی کہ اب عبدالمطلب کے گھرانے میں ایک ہی عبد اللہ کو بھی ”ذبیح اللہ“، کے مرتبہ پر فائز کرنے کا وقت آ گیا ہے تاکہ عبدہ بن عبد اللہ ملت ابراہیمی کے احیاء کے ساتھ ساتھ توحید ربانی کا غلطہ بھی بلند فرمادیں اور بت پرستی پر آخری اور فیصلہ کن ضرب مؤمن سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور توحید خالص کا ڈنکا بھی بجا دیں، چنانچہ سوتے میں حضرت عبدالمطلب نے اشارہ پا کر چاہ زم زم کھودنے کا عزم کیا تو قریش کے سرداروں نے تسخراڑا نا شروع کر دیا اور سب نے کہا کہ اس خواب پریشان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلنے والا! اس لئے تو جان اور تیرا خواب! ہمیں معاف رکھ! اب عبدالمطلب کا ساتھ دینے والا صرف ان کا اکھوتا بیٹا الحارث رہ گیا تھا، تب حضرت عبدالمطلب کو یہ خیال آیا کہ آج اگر حارث کے ساتھ میرے اور بیٹے بھی ہوتے تو کسی کی محتاجی نہ رہتی! اس موقع پر انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائیں تو میں ان میں سے کسی ایک کو اس کی راہ میں قربان کر دوں گا! (۶)

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک بیٹے کی قربانی دینے کا خیال حضرت عبدالمطلب کے ذہن میں کیوں اور کیسے پیدا ہوا؟

اللہ جل جلالہ تو قربانی یا دوسری مالی و بدنی عبادات سے مستغنی و بے نیاز ہیں، بلکہ وہ ذات پاک تو جانوروں کی قربانی سے بھی بے نیاز ہے، وہ تو صرف انسان کے دلی جذبہ تقویٰ اور نیت کے خلوص کو پسند فرماتا ہے (۷)، مگر یہ تو ابن آدم ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقرب ڈھونڈتا رہتا ہے اور اس کی رضا و خوشنودی کا طلبگار رہتا ہے اور اس تقرب و رضا کے وسائل میں، ایک وسیلہ قربانی بھی ہے، مگر اللہ جل شانہ نے کسی نبی، کسی ولی اور اپنے کسی محب کو انسانی قربانی کا موقع کبھی نہیں دیا، یہ تو صرف اولاد آدم ہے جو نہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر بلکہ بتوں کے نام پر بھی انسانوں کی قربانی کو قابل فخر سمجھتی رہی ہے، اسی لئے دیگر اقوام کی طرح سامی اقوام میں بھی انسانی جان کی قربانی کا رواج رہا ہے، پلوٹھی کے بیٹے کی قربانی سامی اقوام کی ایک ریت اور روایت رہی ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خواب کو وحی اور حکم ربانی سمجھتے ہوئے اپنے سب سے بڑے پلوٹھی کے بیٹے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو جب قربانی کے لئے لٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی گردن پر چھری چلانے سے منع فرمادیا اور دلوں کے بھید جاننے والے

محبوب کا حسن ہی عاشقوں کا درس بن گیا ہے۔ ان کی کتاب اور درس اور سبق اس کا چہرہ ہوتا ہے

علیم و بصیر نے فرمادیا کہ میں نے تم باپ بیٹے دونوں کی نیت کو دیکھ لیا ہے، اب اس کی جگہ ایک دنیہ ذبح کر دیجئے وہی کافی ہے! یہی سامی روایت اور سنت ابراہیمی حضرت عبدالمطلب کے پیش نظر تھی اور وہ اسی کی یاد تازہ کرنا چاہتے تھے۔

تیسرا اور اہم بلکہ موزوں ترین اور بنیادی سوال یہ ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کے اس خواب سے اور پھر ان کی اس نذر سے سنت ابراہیمی کی یاد تازہ ہو رہی ہے تو اس سنت میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے دو فرزندوں۔ سیدنا اسماعیل اور سیدنا اسحاق علیہ السلام۔ میں سے کس کو اس سنت میں شریک سمجھا جائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ ان دونوں میں سے ”ذبح اللہ“، ہونے کا تاج کس کے سر بیٹھا ہے یعنی والد کے حکم پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنی گردن پیش کرنے کا شرف کس کو حاصل ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اس ضمن میں تاریخی روایات اور آراء میں اختلاف موجود رہا ہے، یہ اختلاف علمائے اہل کتاب۔ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان بھی ہے یعنی ایک مسلمانوں کا موقف ہے (اور اس موقف کے حق میں بہت قوی اور قطعی دلائل بھی موجود ہیں، جیسا کہ ہم بھی دیکھیں گے) کہ یہ شرف سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ہی حاصل ہے، جبکہ یہودی اور مسیحی علماء کا دعویٰ یہ ہے کہ ”ذبح اللہ“، حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں، یہودی کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو ایک لونڈی (حضرت ہاجرہ یا ہاجر) کی اولاد ہیں اس لئے وہ اس شرف کے مستحق ہی نہیں ہو سکتے جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام سارہ کے بطن سے ہیں جو ایک شہزادی تھی، ان کی دوسری دلیل تو رات ہے جس کی عبارت میں تحریف ہو چکی ہے اور اسحاق علیہ السلام کی قربانی کی جو کہانی تو رات سے ماخوذ ہے وہ کافی حد تک بچگانہ اور مضحکہ خیز بھی لگتی ہے! (۸)

قطع نظر اس کے کہ اہل اسلام میں سے بعض کی رائے میں یا تو یہ شرف صرف اسحاق کو حاصل ہے جبکہ بعض کی رائے یہ ہے کہ دونوں۔ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق۔ ذبح اللہ ہیں، ایک کے ساتھ تو یہ واقعہ سرزمین حجاز میں پیش آیا جبکہ دوسرے۔ حضرت اسحاق کو۔ قربانی کے لئے کہیں سرزمین شام یا فلسطین میں پیش کیا گیا ہوگا، تاہم یہ آراء معتبر مصادر (۹) میں نہیں آئیں اس کے برعکس مسلمان اہل علم کے نزدیک ذبح اللہ ہونے کا شرف صرف سیدنا اسماعیل ذبح اللہ علیہ السلام، کے حصے میں ہی آتا ہے اور ان کے دلائل یہ ہیں:

قرب بے بالانہ پستی رفتن است قرب حق از جہس ہستی رستن است

(۱) سامی اقوام میں قربانی کا مستحق ہمیشہ سب سے بڑا اور پلوٹھی کا بیٹا ہوتا تھا، اور اسماعیل علیہ السلام، سب سے بڑے بھی ہیں اور پلوٹھی کے بیٹے بھی ہیں۔

(۲) یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام، لونڈی تھیں، وہ دراصل مصر کے شاہی خاندان سے تھیں اور بادشاہ نے انہیں خدمت کے لئے حضرت سارہ کے سپرد کر دیا تھا، خادمہ تھیں اور وہ بھی حضرت سارہ کی، خادمہ لونڈی کہنا درست ہی نہیں!

(۳) بالفرض اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک لونڈی کی اولاد تھے بھی تو یہ بات ان کے قربانی کے لئے پیش کئے جانے اور ذبح اللہ ہونے کا شرف پانے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی کیونکہ سامی اقوام سمیت دنیا بھر کی دیگر اقوام میں بھی قربان ہونے کے لئے اور باپ کا وارث بننے کے لئے لونڈی کے پیٹ سے ہونا کوئی مانع یا رکاوٹ نہیں تھی، روم و فارس کے تو کتنے ہی شہنشاہ تھے جو لونڈیوں کی اولاد ہوئے ہیں، تو نبی کی اولاد خواہ لونڈی کے لپٹن سے ہی کیوں نہ ہو، اس کی قربانی کا اہل ہونے میں رکاوٹ کیسے ہو سکتی ہے!

(۴) یہودی ایک نسل پرست قوم ہیں جو برصغیر کے برہمن کی طرح نسلی غرور کا شکار ہیں، وہ تو آج بھی خود کو چنی ہوئی قوم قرار دیتے ہیں مگر عربوں کو لونڈی کی اولاد گردانتے ہیں! یہ رنگ و نسل پرستی باطل اور قابل مذمت روش ہے، یہودی تو ازراہ حقارت اسلام کو بھی ہاجرہ از (hagarianism) قرار دیتے ہیں!

(۵) ہمارے نزدیک اس دعوے کی سب سے بڑی اور ناقابل شکست دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز قرآن کریم صراحت کے ساتھ سیدنا اسماعیل علیہ السلام، کو ذبح اللہ قرار دیتا ہے بلکہ حضرت اسحاق سے بڑا ہونے کا بھی بصراحت اعلان کرتا (۱۰) ہے۔

(۶) جس تسلسل و تواتر سے اہل عرب نے اور پھر اسلام کے بعد پوری امت مسلمہ نے سنت ذبح اللہ کو زندہ رکھا ہوا ہے اور یہودیوں کو تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا خواب بھی کبھی نہیں آیا، اس سے بچ اور جھوٹ کا واضح ہونا بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔

لیکن ان اختصارات سے بات کھل کر واضح نہیں ہوتی اور ایک گونا گونا بہام باقی رہتا ہے اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، کا پورا قصہ ہمارے سامنے ہوتا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ”ذبح اللہ“، ہونے کے استحقاق کی یقینی حیثیت بھی مسلم ہو جائے لیکن ہم نہ تو انبیائے کرام کے درمیان تفریق کے قائل ہیں اور نہ کسی کی عظمت یا شان میں کمی کی گستاخی کو روا رکھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر نبی

قرب کے لئے اوپر یا نیچے جانا نہیں ہے، اللہ کا قرب وجود کی قید سے چھوٹنا ہے۔

احترام کے ساتھ ساتھ اطاعت کا بھی حقدار ہوتا ہے، ہم نہ تو حضرت اسحاق علیہ السلام، کے ذبح اللہ ہونے کا انکار کر کے ان کی تنقیص گوارا کر سکتے ہیں اور نہ کسی کا دل دکھانے کی جسارت کے قائل ہیں، اسی طرح سیدنا اسماعیل علیہ السلام، اگر حقیقت واقعی کے طور پر ذبح اللہ ثابت ہوتے ہیں تو انہیں مان کر کسی کو نیچا بھی نہیں دکھانا چاہتے، سچائی ہر حال میں سچائی ہے، نہ چھپ سکتی ہے نہ مٹ سکتی ہے، یہ تو ایک علمی بحث ہے جس کی اساس صرف دلیل اور ثبوت پر موقوف ہوتی ہے، اس لئے ہماری اس علمی گفتگو کا مقصد صرف حقیقت شناسی اور حق رسی ہے اور وہ بھی قرآن کریم اور دیگر معتبر اور مسلم مآخذ و مصادر کی بنیاد پر ہوگا۔

قرآن کریم میں قصہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح قصہ ابراہیم علیہ السلام بھی مفصل، مدلل اور تکرار و تنوع کا رنگ لئے ہوئے ہے، اپنے والد اور اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ حضرت ابراہیم کا مکالمہ، نمرود سے مباحثہ اور نارنرود کے گزار بن جانے اور اس سے نجات پا کر اپنے وطن سے ہجرت تک کے واقعات کو ہم نہیں چھپڑیں گے، بس صرف حضرت سارہ سے شادی کے بعد سے لے کر تعمیر کعبہ اور قربانی تک کا سفر ابراہیمی زندگی ہمارے زیر نظر ہوگا مگر وہ بھی ممکن حد تک اختصار کے ساتھ۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قصہ ابراہیم کے ضمن میں اسلامی مصادر اور تورات کے بیان میں تضاد پایا جاتا ہے بلکہ تورات کے داخلی بیانات بھی باہمی تضاد اور تضاد کا شکار ہیں، مثلاً حضرت سارہ پر دست درازی کرنے والا بادشاہ فرعون مصر تھا یا ملک جابر (جارڈن)؟ کاہنی ملک نامی بادشاہ تھا؟ حضرت ہاجرہ کا تعلق مصر سے تھا یا ملک جابر سے؟ اور ہاجرہ اگر لوٹدی تھیں تو وہ فرعون کی ملکیت تھیں یا ملک جابرڈن کے ابی ملک کی (۱۱)؟ بہر حال تورات تورات ہے اسے کوئی کیا کہے اور کیسے کہے؟ تورات کی رو سے تو حضرت اسحاق کی قربانی بھی بیرسبع کے پاس کسی پہاڑ پر دی جا رہی ہے اور حضرت ہاجرہ بھی اسی بیرسبع کے آس پاس (معاذ اللہ!) آوارہ (غالباً ماری ماری زیادہ مناسب ہوتا) پھر رہی ہیں اور ان کا فرزند، اسماعیل علیہ السلام، جو توراتی بیان کے مطابق کچھ دیر پہلے اپنی سوتیلی ماں حضرت سارہ اور ان کے بیٹے کو دیکھ کر ”ٹھنھے مارتا تھا، اسی سانس میں بتایا جا رہا ہے کہ ماں نے اسے بھوکا پیاسا ایک درخت کے نیچے ڈال رکھا ہے اور چند سطر بعد ہی ماں بیٹے کا نقشہ لگتا ہے کسی بے ادب اور متعصب یہودی کی زبان میں، یوں کھینچا جاتا ہے (۱۲):

”تب ابراہم نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اس کے کندھے پر دھر

مالک الملک ست ہر کش سر نہد بے جہان خاک صد ملکش دہد

دیا اور لا کے کو بھی اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا، سودہ چلی گئی اور بیر سبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے نیچے پر دور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں، سودہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی، اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا: اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا، اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی،۔

پھر اس کے فوراً بعد حضرت اسحاق کی سوختنی قربانی (یعنی ایندھن پر ڈال کر ذبح کرنا پھر آگ لگا دینا) کا بیان شروع ہو جاتا ہے، ایندھن کا گٹھا باپ (ابراہیم علیہ السلام) نے معصوم بچے پر لاد ا ہوا ہے اور خود ان کے اپنے ہاتھ میں آگ اور چھری ہے، معصوم بچہ اس سارے منظر سے خوف زدہ ہو کر باپ سے سوال کرتا ہے: (۱۳)۔

”اسحاق نے اپنے باپ ابرام سے کہا اے باپ! اس نے جواب دیا کہ اے میرے بیٹے میں حاضر ہوں! اس نے کہا: دیکھ آگ اور لکڑیاں تو ہیں پر سوختنی قربانی کے لئے برہ کہاں ہے؟، تو گویا بچے کو یا تو پیہ ہی نہیں کہ باپ اس کی قربانی دینے جا رہا ہے اور یا بچے کو تسلی دی گئی ہے کہ قربانی تو مینڈھے کی ہوگی، مگر پھر بھی بچہ ڈر جاتا ہے کہ معاذ اللہ باپ اس سے دھوکہ تو نہیں کر رہا؟ تسلی کے لئے پوچھ رہا ہے کہ باقی سامان تو ہے مگر برہ یا مینڈھا تو ہے ہی نہیں کہیں میری ہی قربانی تو نہیں ہونے جارہی؟ (۱۴)

کتاب مقدس (بائبل) کے باب پیدائش سے اردو ترجمہ (یہ اردو ترجمہ ہر ایڈیشن پر بدلتے رہتے ہیں) خصوصی اہتمام کے ساتھ یہ دو مکمل عبارات یہاں (خلاف معمول) اس لئے پیش کی گئی ہیں تاکہ محترم قارئین اس تضاد اور اختلاف سے آگاہ ہو جائیں جو خود تورات کے اندر بھی پایا جاتا ہے اور تورات اور اسلامی مصادر کے درمیان میں بھی موجود ہے بلکہ بڑی شد و مد کے ساتھ موجود ہے، نیز یہ اندازہ

جوا: ۱۰۰۰ کے سامنے سر رکھ دے وہی بادشاہ ہے۔ خاک کی دنیا کے علاوہ وہ سینکڑوں سلطنتیں عطا کر دیتا ہے

ہو جائے کہ اہل کتاب کے مصادر اور اہل اسلام کے مصادر کا ثقاہت و اعتبار کے نقطہ نظر سے مقام کیا ہے! اسلامی مصادر کی رو سے آتش نمرود سے نجات اور حضرت سارہ کی معیت میں خلیل اللہ علیہ السلام کی داستان سفر کا خلاصہ (۱۵) یہ ہے کہ بادشاہ نے حضرت سارہ کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کے نبی کی عظمت کو دیکھتے ہوئے بادشاہ کی طرف سے حضرت ہاجرہ کی صورت میں حضرت سارہ کے لئے جو خادمہ میسر آئی تھیں وہ انہوں نے اپنے بے اولاد شوہر کے نکاح میں دے دی تھیں، جب ہاجرہ کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام، پیدا ہوئے تو حضرت سارہ کی نساوایت جاگ اٹھی اور سوتوں کے جلاپے نے جس طرح ہاجرہ کو ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دینے کا حکم دیا تھا اسی طرح ماں بیٹے کو اپنے سے دور کر دینے کا حکم بھی دے دیا، اللہ تعالیٰ نے سارہ کی دلجوئی کو لازم قرار دیتے ہوئے ننھے اسماعیل علیہ السلام، اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو کوہ فاران کی وادی بلحاء میں اپنے گھر کے پڑوس میں لایا جس نے ان کا حکم دے دیا (۱۶) خلیل اللہ علیہ السلام، نے اس حکم ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے پلٹھنی کے اکلوتے بیٹے اور اس کی والدہ کو بے آب و گیاہ علاقے (وادی غیر ذی زرع) میں بیت اللہ کے پڑوس میں لایا اور انہیں چھوڑ کر چپ چاپ چل دیئے کہ مبادا بات چیت میں بیوی اور بیٹے کی محبت غالب آجائے اور حکم ربانی کی تعمیل میں خلل آجائے، پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ خوراک کا تھیلا دے کر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جانے لگے تو وفا شعار بیوی اور اللہ تعالیٰ کی محبوب بندی نے تیزی سے منہ موڑنے والے دوسری طرف جاتے ہوئے اپنے شوہر اور اللہ کے نبی سے صرف اتنا پوچھا کہ ابراہیم! یہ تو بتا دیجئے کہ یہاں آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ رہے ہیں یا کوئی اور وجہ ہے؟ شوہر کی زبان سے یہ سن کر کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے! حوصلہ مند گئی مؤمنہ ہاجرہ نے کہا: تو پھر ہمیں کوئی ڈرنیسیں! خیر الرازقین ذات باری تعالیٰ کی رضا کے لئے جو ہوتا ہے وہ ہو جائے! وہ خود ہی ہمارا تحفظ فرمائے گا!

پانی اور زرادہ ختم ہو گئی تو ننھے اسماعیل بھوک اور پیاس سے بلکنے لگے چنانچہ بچے کو کوہ صفا اور مروہ کے درمیان لٹا کر ہاجرہ اونچی جگہ سے آتے جاتے مسافروں کو دیکھنے کے لئے کبھی کوہ صفا اور کبھی کوہ مروہ پر جانے لگیں، درمیان میں آ کر بچے کو روتا بلکتا دیکھتیں تو رفتار تیز ہو جاتی! اللہ رب العزت کو اپنی اس بندی کی یہ ادا بہت پسند آئی اور ان کی اس دوڑ کو مناسک حج میں بطور سعی شامل کر کے اسے غیر فانی بنادیا (۱۷)!

ساتویں چکر میں بچے کے قریب سے گذریں تو دیکھا کہ اسماعیل کے پاؤں کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ رہا تھا، جلدی جلدی مشکیزہ بھرا پھر بہتے پانی سے مخاطب ہوئیں اور کہا کہ: ”زم زم،! یعنی رک رک (کیا عجب کہ عبرانی یا قبیلے زبان کا یہ لفظ بھی برصغیر کی آریائی زبانوں۔ پنجابی وغیرہ۔ کے لفظ جم جم یعنی رک رک کی ہی ایک شکل ہو؟!)

جس طرح آب زم زم یعنی زم زم کا پانی ایک انوکھا پانی ہے اسی طرح چاہ زم زم یعنی زم زم کا کنواں بھی ایک انوکھا کنواں ہے، کہنے کو تو یہ کنواں ہے مگر نہ تو اس علاقے میں کھودے جانے والے کنوؤں کی طرح گہرا ہے اور نہ اس میں آنے والا پانی عام کنوؤں کے پانی کی طرح ہے، اس کا پانی بہت نزدیک سے بھی ہے مگر کنویں میں اتریں تو مختلف سمتوں سے ابلتا اور فراٹے مارتا ہوا پانی اس قدر زور سے آتا ہے کہ آدمی کے پاؤں نیچے نہیں لگنے دیتا بلکہ اٹھالینے یا بہالے جانے والا پانی لگتا ہے گویا اس کا پانی زوردار انداز میں ایلنے والے چشمے کا پانی لگتا ہے، اسی لئے تو لوگ اسے چشمہ زم زم بھی کہتے ہیں گویا یہ چشمہ نما کنواں یا کنواں نما چشمہ ہے! یہاں سے یہ فرمان نبوی، علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام، بھی ہماری سمجھ میں آ جانا چاہیے جس میں آیا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبان سے اس چشمہ خیر کو زم زم (رک رک) کہہ کر نہ روکتیں تو یہ سیل آب بن کر بہہ جاتا! سو گویا یہ چشمہ آب پھل ہے ضرب ملکوتی و پیغمبری اور دست اولیائی کا (۱۸)!

یہ چشمہ خیر کیسے وجود میں آیا؟ ایک نبی ابن نبی کی ایڑی کی چوٹ یا جبرئیل امین علیہ السلام، کے ملکوتی پرکے اشارے سے؟! دونوں باتیں صحت کے مرحلے کو پہنچتی ہیں مگر یہ بات یقینی ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہوا قضائے ربانی اور امر کن فیکون کا ثمر ہے اور یہ چشمہ ہوتے ہوئے بھی کنواں ہے اور کنواں ہونے کے باوجود ایک چشمہ رواں بھی ہے، یہ نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کی ایک ولیہ کاملہ اور نبی کی بیوی اور نبی کی ماں کی آرزو بھری دعا کا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ چشمہ نشان ابدی ہے حضرت عبداللہ بن عبد اللہ ﷺ کی جدہ کریمہ حضرت ہاجرہ، سلام اللہ علیہا، کا، اور بعد میں عبدالملک کی از سر نو دریافت کا یہ نشان ابدی ہے، تو گویا یہ زم زم، ان تینوں۔ ہاجرہ، اسماعیل اور عبدالملک۔ کی عظمت کا نشان ابدی ہے جو کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا جسے دنیا دیکھتی رہے گی اور اس سے فیضیاب و سیراب بھی ہوتی رہے گی!

زم زم کا خوشگوار، صحتمند اور قوت بخش پانی، جو بیک وقت پیاس بھی بجھاتا ہے، بھوک بھی مٹاتا ہے

تو نہ نہیں پھینکا جب کہ پھینکا تو نہ پڑھا ہے، لیکن تو ایک جسم ہے انگل میں پھنسا رہ گیا ہے

اور امراض سے شفا کا باعث بھی ہے، گویا یہ غذا بھی ہے، دوا بھی! مگر یہ پانی ہے کیا؟ کہاں سے آتا ہے اور کیسے آتا ہے؟ اس بارے میں علم اور سائنس کی دنیا دم بخود اور محو حیرت ہے! ماہرین کی یہ حیرت و استعجاب کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا! کیونکہ یہ پانی جس کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور پھر جس بہتات کے ساتھ موجود رہتا ہے مگر نہ اس کی روانی میں فرق آتا ہے نہ رنگ بدلتا ہے اور نہ ذائقہ تبدیل ہوتا ہے، حرمین شریفین کے سب باشندے، ہر سال عمرہ کرنے والے اور حج بیت اللہ کا شرف حاصل کرنے والے لاکھوں انسان اسے پیتے ہیں، بھر بھر کر ساتھ بھی لے جاتے ہیں، نہ پینے والے سیر ہوتے ہیں نہ ان کے شوق اور ذوق میں فرق آتا ہے، کوئی اکٹھا نہیں، کوئی گھبراہٹ نہیں، پینے کے لئے سب بیکر بھر کر لے جانے کے لئے سب تیار! یہ صرف پانی ہی نہیں کچھ اور بھی ہے!!

لیکن اس زم زم کی داستان شیریں و خوشگوار یہاں ختم نہیں ہوتی، اس کے جغرافیہ اور تاریخ کا احاطہ ناممکن ہے، ہاں ذبح اللہ علیہ السلام کی باتیں سننے والی ہیں، زم زم کا چشمہ وادی بطحاء کے قرب و جوار میں بسنے والے قدیم عربوں (عرب عاربہ، طسم و جدیس اور عمالیق کی باقیات)، پرندوں اور چرندوں کے لئے ایک خوشخبری اور پیغام حیات تھا، عمالیق، قبیلہ جرہم اور پھر قبیلہ خزاعہ کے لوگ بھی سیدنا اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ کی اجازت سے اور پھر اپنی مرضی سے یہاں آتے اور آباد ہوتے رہے مگر انہی کے فساد اور بگاڑ بلکہ باہمی جنگ و جدال اور اکھاڑ بچھاڑ سے ہی شیطانی ذہنوں نے اس وادی کو ویران بھی کیا اور زم زم کو بھی بدنیت اور انسانیت دشمنوں نے پاٹ کر ہمرنگ زمین کر دیا اور مدتوں تک وادی بطحاء کے پیاسے زم زم! پکارتے پھرے مگر اسے پانے میں انسانوں کی نسلیں صدیوں تک ترستی اور اسے ڈھونڈتی ہی رہیں مگر دوبارہ یہ انہیں کوئل رکاجن کا مقدر تھا! لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس داستان شیریں کو اٹھار کھتے ہیں اور چند لمحات کے لئے صاحب زم زم سیدنا ذبح اللہ کی سچی کہانی کو صرف قرآن کریم کی مدد سے مکمل کرتے ہیں!

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام، نے اپنے اہل و عیال کو اس بے آب و گیاہ وادی میں آباد کرتے وقت اپنی ذریت، وادی بطحاء اور اہل بطحا کے علاوہ تمام انسانیت کے لئے دعائیں مانگیں (۱۹)، پھر اپنے فرزند ارجمند اسماعیل ذبح اللہ کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کی اور پھر انسانیت کو دعوت حج (۲۰) دی، اور آج جو دنیا کے کونے کونے سے خلق خدا احرام باندھے زبان

سے لبیک اللہم لبیک پکارتے ہوئے وادی بطحا اور میدان عرفات میں پہنچتے دکھائی دیتے ہیں یہ دراصل اسی دعوت اور اذان ابراہیمی کا جواب ہے، کتاب اللہ نے بڑی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ نہ صرف اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام، کی قربانی کو مسلسل اور مفصل بیان کیا ہے بلکہ ”صل ذبیح، کی نشاندہی کر کے اور بڑے اور پلٹھی کے بیٹے کے سلسلے میں بھی کوئی ابہام یا اشتباہ نہیں چھوڑا، ارشاد ربانی کا اردو ترجمہ یوں (۲۱) ہے:

”ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو صالحین میں سے ہو، چنانچہ ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری سنادی جو روبرو بار اور قتل مزاج ہوگا، سو جب وہی بیٹا (اسماعیل علیہ السلام) اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچا تو باپ نے بیٹے سے کہا: بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے (اللہ کی راہ میں) ذبح کرتا ہوں، سو اب تو دیکھ کہ تیری کیا رائے ہے؟! بیٹے نے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! آپ کو جو رب کا حکم ملا ہے اسے پورا کر ڈالئے! ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ چنانچہ جب دونوں (باپ بیٹے نے) سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے (منہ) کے بل لٹا دیا (ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے) اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم! بس تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے، نیکی کرنے والوں کو ہم یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں! بلاشبہ یہ (باپ بیٹے کے لئے) کھلی آزمائش تھی (جس میں وہ دونوں پورے اترے) اور ہم نے ایک بھاری قربانی اس کے فدیہ کے طور پر دی! اور اسے بعد والوں میں ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کو زندہ کر دیا، تو سلام ہو ابراہیم پر! نیکی کرنے والوں کو تو ہم جزا ایسے ہی دیتے ہیں! وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور پھر ہم نے اسے اسحاق علیہ السلام کی بھی بشارت دے دی کہ وہ بھی نبی ہوگا (اور اپنے بھائی اسماعیل علیہ السلام کی طرح) صالحین میں سے ہوگا!،

ذبیح اللہ کے سلسلے میں یہ آیات قرآنی کوئی شک و ابہام نہیں چھوڑتیں مگر براہو یہود بنی اسرائیل کے حسد اور بغض کا جنہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد (عرب قوم) کی شان کم کرنے کے لئے چھوٹے بھائی اسحاق کو بڑا اور پلٹھی کا بیٹا بنانے کے لئے تواریات میں ایسی تحریف کی ہے کہ عبارات کو بے ربط اور بے معنی بنانے کے باوجود بھی کچھ نہیں بن سکا! سیدنا مسیح علیہ السلام نے یہود کی اس سنگدلانہ تحریف کی خوب خبر لی ہے مگر ان کا اسلوب بیان ایسا بلیغ اور پر معنی ہے کہ جسے (کوڑ مغز برہمن کی طرح) کوڑ مغز

جب آسمان سے پانی برساتا ہے تو زمین پر پھول اور غنچے کھلتے ہیں اور جب آسمان باری ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت برتی ہے

یہودی بھی (نسلی برتری کے نشے میں مبتلا ہونے کے باعث) نہیں سمجھ پایا، کم سے کم وہ متاثر تو نہیں ہو پایا، اس ضمن میں سیدنا مسیح علیہ السلام نے استعارہ کی زبان میں یوں فرمایا تھا کہ ”کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں دیکھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کوئے کے سرے کا پتھر نکلا،،، بہر حال یہود کے ماننے نہ ماننے سے سیدنا اسماعیل ذبح اللہ علیہ السلام، کا کچھ نہیں بگڑتا! نہ وہ بگاڑ سکے ہیں، نہ بگاڑ سکتے ہیں اور بگاڑ سکیں گے کیونکہ ”والی اللہ ترجع الامور“، (تمام معاملات نے انجام کا تو اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے جانا ہوتا ہے) وہی تو قادر مطلق اور وہی تو اہل منصف ہے!

یہ چشمہ آب جو زم زم کہلایا اور اصل سیدنا ذبح اللہ علیہ السلام کا پانی ہے جیسا کہ بجاطور پر اسے بعض اسلامی مصادر میں ماء اسماعیل یا آب اسماعیل کہا گیا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں حضرت ذبح اللہ علیہ السلام، کے پاؤں کا صدقہ اور عطیہ خداوندی ہے! شہزادی ہاجرہ، سلام اللہ علیہا، نے تحریف سے دوچار ہونے والی تورات (۲۲) کے مطابق بھی اپنے بیٹے کے لئے مصر سے بیوی لی تھی (یعنی مصر کی شہزادی ہاجرہ زوجہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جو عظمت اور تقدس نصیب ہوا تھا اس کا تقاضا تھا کہ مصر ہی کے شاہی خاندان میں ان کے فرزند کی شادی ہوتی اور ہوئی۔ جس کا اعتراف تورات نے بھی یہودی مخرفین کے ڈر سے ہی سہی دہی زبان میں تو کیا) مگر قبیلہ جرہم کے سردار نے بھی وادی بطحاء کے شہزادہ کو داماد بنانے میں فخر محسوس کیا تھا کیونکہ ا کا قبیلہ ماں بیٹی کی اجازت سے چشمہ زم زم سے سیراب ہونے کے لئے بیت اللہ کے جوار میں آباد ہوا تھا مگر بعد میں اسی قبیلہ کے فساد یوں نے شیطان پر سوار ہو کر وادی بطحاء کو میدان جنگ بنادیا تھا اور اسے زمین کے ساتھ اس طرح ہموار کر دیا تھا کہ ڈھونڈنے والے بد نصیب ٹکریں مار مار کر تھک ہار گئے لیکن زم زم کا چشمہ نہ ٹل پایا، ایک دوسرے قدیم عربی قبیلہ بنو خزاعہ نے بنو جرہم کو وادی بطحاء سے دھتکار کر یمن کی طرف بھگادیا مگر پانچ چھ سو سال تک تلاش کے باوجود بنو خزاعہ کے لوگوں کو آب زم زم نہ ملتا تھا نہ ملایا یہاں تک کہ اولاد اسماعیل کے ایک تاریخ ساز ہیرو قصی بن کلاب بن مرہ نے غلیل خزاعی کی بیٹی جی سے شادی کر کے قریش مکہ کے لئے وادی بطحاء کو بنو قضاہ کی مدد سے آزاد کرالیا تھا مگر قصی کے دور میں زم زم حسب دستور مدفون اور گم گشتہ ہی (۲۳) رہا!

یہ قریش کے سردار مرد عزم و یقین کامل عبدالمطلب کے مقدر میں تھا کہ وہ میراث اسماعیل آب زم زم کو اپنے خداداد نور بصیرت سے دریافت کرے اور بیت اللہ شریف کے حجاج کرام کیلئے وقف کر دے! اسی

☆ اذا کان رب البیت بالدف مولعا..... فشیمة اهل البیت کلهم رقص ☆

مرد عزم و یقین کامل ہی کے گھرانے میں تو یکتائے روزگار عبداللہ نے جنم لیا جو انسان کامل ”عبدہ“، صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا وسیلہ جلیلہ ثابت ہوئے۔

تمام کتب سیرت و تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم نے تین رات مسلسل خواب میں ایک غیبی اشارہ پایا کہ فلاں جگہ چشمہ زمزم ہے، آپ خلق خدا کے لئے اس نعمت کو از سر نو دریافت کریں، قریش کے لوگوں کو انہوں نے اپنا خواب سنایا مگر وہ گذشتہ تجربات (جو اصل میں بڑے تلخ تجربات تھے جن سے اہل مکہ کی نسلیں پانچ چھ سو سال گزرتے رہے اور وہ تلخ گھونٹ پی کر سو گئے تھے) اس لئے سب نے ہنس کر اپنے سردار کی بات کو بھی خواب پریشان جان کر نال دیا کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے اس تلخ تجربہ سے ایک بار پھر گزرنے کا ثواب حاصل کر لیجئے، ہم میں تو مزید تلخی اٹھانے کی ہمت نہیں ہے! مگر مرد عزم و یقین کامل کو اس طرح یقین تھا جس طرح انہیں اپنے سعادت مند یکتائے روزگار عبداللہ کے روشن مستقبل پر یقین تھا! مگر اس وقت عبدالمطلب کا بیٹا ابھی تک صرف ایک ہی تھا جس کا نام الحارث تھا، وفادار و اطاعت گزار بیٹے نے اپنے باپ کا بھرپور ساتھ دیا، یہی وہ لمحات تھے جب قریش کے مرد عزم و یقین کامل کو یہ خیال آیا کہ آج اگر حارث کے کچھ اور بھائی بھی ہوتے تو اس کے لئے مددگار ثابت ہوتے! مرد عزم و یقین کامل نے اپنے رب سے دعا مانگی اور یہ عہد کیا کہ اگر اس کے فرزند ان وفا شعار اور اطاعت گزار کی تعداد دس بھی ہو جائے تو میں ان سب کو چشمہ زمزم کی کھدائی پر لگا دوں گا! نہ صرف لگا دوں گا بلکہ اسماعیلی میراث دریافت ہونے پر ان دس میں سے سامی اقوام کے دستور کے مطابق ایک کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قربان بھی کر دوں گا! (۲۴)

لیکن چشمہ زمزم یا پیر زمزم کی کھدائی اور دریافت کے لئے مرد عزم و یقین عبدالمطلب کو دس بیٹوں کی ضرورت ہی نہ رہی بلکہ اپنے بازوئے ہمت اور اپنے اکلوتے پلوٹھی کے بیٹے الحارث کی مدد ہی کفایت کر گئی! خواب میں نشاندہی کردہ جگہ پر کھدائی کرتے ہوئے عبدالمطلب کو ایک دن پائے ہوئے کنویں کی ایک طے نظر آئی تو مرد عزم و یقین کامل نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جس سے پوری وادی بظاء گونج اٹھی اور شہر مکہ دنگ رہ گیا! سب لوگ حیرت اور سکتہ کی زد میں آ گئے مگر لمحہ بھر کے بعد ہوش میں آئے تو اپنے سردار کی طرف دوڑ پڑے! سب نے کہا: سردار! ہم سب بھی اولاد اسماعیل ہیں! یہ اسماعیلی ورثہ دریافت ہو گیا ہے! اس شرف میں ہمیں بھی شرکت کا موقع دیجئے! ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں!

مگر حق گو مرد عزم و یقین کامل کا صاف جواب تھا: اچھا اب! کچھ پہلے تو تم کچھ اور نہیں کہہ رہے تھے؟ میرے خواب کو خواب پریشان قرار دے کر مجھے اکیلے ہی اس کی تعبیر تلاش کرنے کی تاکیدیں کر رہے تھے نا؟ تم میں سے بعض ہنستے ہوئے میرا تسخر بھی تو اڑا رہے تھے نا! اب تو یہ میراث خلیل و ذبیح دریافت ہو چکی ہے اس کے لئے تو میرے رب نے مجھے ہی مختص فرمایا (ذلک فضل نھصت بہ دوکم) (۲۵)! رہا آپ زمزم تو اس میں تو سب شریک ہیں! پوری انسانیت بلکہ یہ تمام خلق خدا اور دنیا کے گوشے گوشے سے آنے والے حجاج و زائرین اللہ تعالیٰ کے یہ تمام مہمان اس میں شریک ہوں گے!

یوں پانچ چھ صدیاں گم رہنے کے بعد حضرت عبدالمطلب (یکتائے روزگار عبد اللہ کے والد اور عبدہ مصطفیٰ ﷺ کے دادا) کے دست مبارک پر یہ آب زمزم ایک بار پھر سب کی دست رس میں آ گیا! یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑا اعزاز اور انعام تھا، جو عبدالمطلب کو نصیب ہوا مگر عبدالمطلب سمیت یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس بڑے اعزاز و انعام کے بعد ان سے بھی بڑا امتحان آنے والا ہے! دیکھتے ہی دیکھتے اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ عبدالمطلب کے بیٹوں کی تعداد دوس سے بھی مختار ہو گئی! اب انہیں اپنی نذر یاد آئی تو مرد عزم و یقین نے اپنے سب بیٹوں کو بلایا! سب کے سب حاضر ہو گئے! ایک سے ایک کڑیل جوان جن میں قریش کا جوان رعنا اور عبدالمطلب کے گھرانے کا یکتائے روزگار عبد اللہ بھی تھے! باپ نے جب ان سے اپنی نذر کا ذکر فرمایا تو سب کے سب یک زبان ہو کر بول اٹھے: ابا جان! آپ اپنی نذر اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد ضرور پورا کیجئے! انتخاب آپ کا! مرضی آپ کی! ہم سب آپ کے حکم کے منتظر ہیں! یہ انتخاب کا فیصلہ بھی ایک بہت بڑی آزمائش تھی لیکن ایک پر عزم اور مدبر اور مرد عزم و یقین کامل کے لیے یہ مرحلہ بھی کچھ مشکل نہ تھا! باپ نے اپنے سرزمہ داری لینے کے بجائے یہ معاملہ بھی قدرت خداوندی اور مقدر کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ سب اپنا اپنا نام لکھ دو قرعہ اندازی ہوگی! قرعہ اندازی کا نتیجہ بھی ایک حیرت انگیز عبرت تھی! قرعہ فال عبدالمطلب کے گھرانے کے یکتائے روزگار عبد اللہ کے نام نکلا! آزمائش پر آزمائش بھی مرد عزم و یقین کو متر و متزلزل نہ کر سکی! عبدالمطلب کو اپنے اس من موہنے نو جوان بیٹے سے بہت محبت تھی اور اس سے کچھ توقعات بھی وابستہ تھیں! اس سے پہلے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، بھی گزر چکے تھے مگر وہ تو اللہ کے اولوا العزم نبی تھے اور یہ تو صرف عبدالمطلب بن ہاشم قریشی تھے!

ہاں لیکن یہ بھی تو یکتائے روزگار عبد اللہ کے والد اور رسول اولین و آخرین عبدہ المصطفیٰ ﷺ کے دادا تھے

ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۲۵ اکتوبر ۲۰۱۳ء

﴿ ۶۳ ﴾

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی

انہوں نے بھی تو نجاشی شاہ حبشہ کی طرح احبار یہود اور رہبان نصاریٰ سے نبی منتظر کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا! لیکن مردانِ عزم و یقین دُگم گایا نہیں کرتے! بغیر کسی تردد یا ہچکچاہٹ کے اٹھے اور جان پدر عبد اللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری لے کر ذبح کے لئے لٹا دیا! مگر عبد اللہ کی بہنیں چلاتی ہوئی آگئیں! قریش مکہ بھی روکنے کے لئے آگے آگے اور سب نے کہا: عبد المطلب ایسا نہ کیجئے! لوگوں کے لئے ایک مثال بن جائے گی اور کتنے ہی باپ اپنے ہی بیٹوں کی گردنوں پر چھریاں چلانے لگیں گے! مگر سب آپ ہی کو یاد کریں گے!

عبد المطلب نے فرمایا: اس میں میرا کوئی دخل نہیں! قرعہ فال ہی عبد اللہ کے نام نکلا ہے! یہ قدرت خداوندی کا فیصلہ ہے جس پر ہم میں سے کسی کا کوئی زور نہیں ہے!

”عبد المطلب! فدیہ بھی تو ہو سکتا ہے!،، سب نے بیک وقت متفقہ آواز میں کہا! ”مگر اس فدیہ کا فیصلہ کون کر سکتا ہے؟ قرعہ فال عبد اللہ کی نشاندہی کر چکا ہے!،، عبد المطلب کا جواب تھا!

”یہاں بھی تو قرعہ اندازی ہو سکتی ہے؟!،، کسی کا مشورہ آیا۔ ”ہاں تو پھر دیت کے دس اونٹ دینا ہوں گ،! چلو اللہ کا نام لو،، عبد المطلب نے کہا!

دس اونٹ پر بھی عبد اللہ ہی کے نام کا قرعہ فال نکلا! عبد المطلب کے حکم سے دس دس اونٹ بڑھائے جاتے رہے! اتنا جب سوا اونٹ پر پہنچی تو قرعہ فال اونٹوں کے نام نکلا! عبد المطلب،، دیت کے سوا اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا اور کہا یہ گوشت خلقِ خدا کے سامنے کھلا چھوڑ دو، ہاں ہم بنی ہاشم میں سے تو کوئی بھی اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا! اس طرح دیت کی جو مقدار پہلے دس اونٹ تھی، اب سوا اونٹ قرار پائی اور آج بھی دیت کی مقدار یہی ہے!

اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ اللہ رب العزت کی طرف سے تھا اور وہ ”ذبیح اللہ“، قرار پائے تھے! حضرت عبد اللہ کے فدیہ کی مقدار بھی قدرت خداوندی نے قرعہ فال کے ذریعہ مقرر کی، اس لئے وہ بھی ”ذبیح اللہ“، ہیں! اس لئے رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمانا بجا اور برحق ہے کہ میں ”ذبیحین“،، کافر زند (۲۶) ہوں! سیرت نگاروں، تاریخ نویسوں اور مفسرین قرآن کی بہت بڑی تعداد نے اس ارشاد نبوی کی صحت پر صادر کیا ہے (۲۷)!

رسول اللہ ﷺ کا موحد اعظم جد الانبیاء ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد سے ہونا اور محی الحنفیہ یعنی

سنت ابراہیمی کا احیاء کرنے والا ہونا جہاں ایک مسلم حقیقت ہے وہاں یہ نبوت خاتمہ کے فضائل اور مغاخر میں سے (۲۸) بھی ہے، رہا ابن الذہنین ہونا تو یہ بھی تاریخی حقیقت ثابت ہے یعنی یہ سچ ہے کہ سیدنا اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام از روئے قرآن ذبیح اللہ ہیں، یہودی بغض و حسد خواہ کتنا ہی ابلے اور کیسے ہی کھولے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن حضرت عبداللہ کے لئے ذبیح اللہ کے لقب کے متعلق اگرچہ قطعی نص شرعی (قرآن و حدیث) وارد نہیں ہوئی مگر اس کی تاریخی حقیقت ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے، اولاد کی قربانی کی نذر ماننا سامی اقوام کی ریت رہی ہے جن میں عرب بدرجہ اولی شامل ہیں، اس لئے حضرت عبدالمطلب کا نذر ماننا اور منت پوری ہونے پر نذر پیش کرنے کا عزم سامی روایت کو جاری رکھنا ہے اور قریش کے مرد عزم و یقین کی بھی یہی شان ہے، یہ الگ بات ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ذبح کرنے کے لئے ماتھے کے بل مذبح پر لٹا دینا گویا وحی ربانی کی تعمیل تھی، تاہم عالم ملکوت نے فدیہ دے کر اسماعیل کو چھڑا لیا مگر خلیل اللہ کی قربانی کا خواب پورا ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح اللہ ہونا بھی ثابت ہو گیا، اس کے برعکس حضرت عبدالمطلب نہ تو نبی تھے، نہ انہیں خواب میں حضرت عبداللہ کی قربانی کا اشارہ ہوا تھا بلکہ یہ تو قریش کے مرد عزم و یقین کا اپنا خدا سے عہد تھا، نذر تھی، جب منت پوری ہو گئی تو مرد عزم و یقین نے خنجر لے کر قرعہ فال عبداللہ کے نام کا نکلنے پر بیٹے کو مذبح پر لٹا دیا، مکہ کی خلق خدا نے بالاجماع یہ رائے دی کہ عبدالمطلب! آپ کی نذر پوری ہو گئی، خلیل اللہ کے فرزند کا فدیہ قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا، تم اپنے اس یکتائے روزگار فرزند کا فدیہ خود دو! حضرت عبدالمطلب مان گئے اور آخر کار قرعہ فال حضرت عبداللہ کے بجائے سوا دھنوں کے نام کا نکلا! اس پر اگر خلق خدا نے عبداللہ کو بھی ذبیح اللہ کہا تھا تو یہ زبان خلق نقارہ خدا کے مترادف تھا اور اللہ کے دوست اور قریش کے مرد عزم و یقین کی کرامت تھی! اس لئے یہ مانا کہ نہ تو حضرت عبدالمطلب نبی تھے نہ حضرت عبداللہ اور نہ یہ کوئی وحی خداوندی کی بات تھی، بس بات صرف اتنی سی ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام، کے پوتے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سنت ابراہیمی کا احیاء کرنا تھا اس لئے ان کے والد اور دادا نے باپ بیٹے کی یاد کو تازہ کر دیا اور یہ ظاہر و باہر ہو گیا کہ والد اور دادا دونوں حقیقت پر تھے! البتہ یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ فرزند ذہنین والی بات کو ابو عبداللہ الحاکم، امام سیوطی، علامہ زبشری علامہ دیار بکری اور ابن الجوزی نے بجا قرار (۲۸) دیا ہے اس لئے ہم بھی اسے درست اور بجا مانتے ہیں!

بنو امیہ کے وہ حکمران، جو حج کی نماز میں اپنی جگہ امامت کے لئے اپنی محبوبہ لونڈی کو اپنی پوشاک پہنا کر بھیجنے سے بھی نہیں جھکتے (۲۹) تھے، جو بنو ہاشم کے فضائل کو کیا مانتے انہوں نے تو مساجد میں برسر منبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو برا بھلا کہنے (والعیاذ باللہ!) کے مستقل احکام بھی صادر کر رکھے تھے، جو بنو ہاشم کے بزرگوں سے ”متعدد منافرات“، کے معرکوں میں بارہا شکست کھانے کے باوجود بھی ان کے عز و شرف کو ماننے (۳۰) کے لئے تیار نہ تھے وہ بھلا حضرت عبدالمطلب الہاشمی کی اس انفرادیت کو کیسے تسلیم کر سکتے تھے کہ آج بزم زم کو دوبارہ دریافت کرنے کا شرف بھی قریش کے مرد عزم و یقین ہی کو نصیب ہو گیا ہے۔ جناب ابوسفیان نے توفیق مکہ کے موقع پر مؤلفۃ القلوب میں شمولیت سے پہلے یہ اعلان (۳۱) فرمایا تھا کہ ہم نے بنو ہاشم کی سقایت (حاجیوں کو پانی پلانا)، رفادات (بیت اللہ کے زائرین کو کھانا کھلانا) اور سفارت کے حق کو مان لیا ہے مگر اب (معاذ اللہ!) بنو ہاشم (رسول ہاشمی ﷺ) کی نبوت کو نہیں مانیں گے۔ اگر خدا خواستہ حضرت عبدالمطلب کو آج بزم زم دوبارہ دریافت کرنے کا منفرد اعزاز واقعی حاصل نہ دیا ہوتا تو بنو امیہ بنو ہاشم کے اس دعویٰ پر وادی بطحاء میں ایک ہنگامہ نہ کھڑا کر دیتے۔ دوبارہ دریافت کے اس منفرد اعزاز پر بنو امیہ کا خاموش رہنا ہی اس ہاشمی دعویٰ پر سب سے بڑی اور ناقابل شکست دلیل ہے!

سوا اگر یہ تاریخی حقیقت ہے کہ بنو جرہم اور بنو خزاعہ کے ہولناک تصادم اور جنگ و جدال کے نتیجہ میں وادی بطحائے ویرانہ ہوئی تھی اور انسانیت دشمن شیطانی ذہنوں نے چاہے بزم زم کو گندمند سے پر کر کے ہمرنگ زمین کر دیا تھا جسے صدیوں تک قریش مکہ دوبارہ دریافت کرنے کے لئے جتن کرتے رہے تھے مگر اس میں بار بار ناکام ہوتے رہے حتیٰ کہ ”صدر جمہوریہ مکہ مکرمہ“، جناب قصی بن کلاب (۳۲) کی مساعی بھی ناکامی سے دوچار ہوئیں! اپنے خواب کی تعبیر کے لئے حضرت عبدالمطلب کا ساتھ دینے کے بجائے الناقریش کا ان کا مذاق اڑانا اور تسخر اڑانا اور پھر صرف اپنے اکلوتے بیٹے الحارث کی مدد سے عبدالمطلب کا چاہے بزم زم دریافت کرنے میں کامیاب ہونے پر قبائل قریش کو اس اعزاز میں شریک کرنے سے انکار کرنا اور اس پر بھی سب کا سر جھکا دینا حضرت عبدالمطلب کے دعوے کی ایک اور ناقابل انکار، ناقابل شکست اور روشن ترین دلیل ہے!

اگر بزم زم دوبارہ دریافت ہونے پر بنو امیہ کی خاموشی ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے اور تمام قبائل قریش

کو اس شرف میں شریک کرنے سے حضرت عبدالمطلب کا انکار پھر اس انکار پر سب کا شرمندگی سے سر جھکا لینا ایک حقیقت ہے تو پھر قریش کے مرد عزم و یقین کی دس بیٹوں کی تمنا اور ایک کورضائے الہی کی خاطر قربان کر دینے کی نذر ماننا بھی ایک مسلم حقیقت ہی ہے اور حضرت عبداللہ، سلام اللہ علیہ کا فدیہ سوانح بھی ایک مسلم حقیقت ہے اور خلق خدا کا انہیں ”ذبح اللہ“، کے لقب سے نوازا بھی ایک حقیقت ہے تو پھر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرزند ذبح نہیں ہونے کے دعوے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ ایک صحابی رسول کا یہ کہنا کہ ”یا ابن الذبحین“، (اے ذبحین کے فرزند!) اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا مسکرا دینا اسے تقریری حدیث کے درجہ میں نہیں پہنچا دینا! جب کہ اس واقعہ کے عینی شاہد اور راوی بھی ایک کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اگر ہمارے متاخر دور کے اسلاف معتبر اور ثقہ محدثین جیسے ابو عبد اللہ الحاکم صاحب المستدرک علی الصحیحین، امام ابن الجوزی اور امام سیوطی، رحمہم اللہ اس واقعہ کی روایت و تصدیق نہ فرماتے تو اسے ماننا نہ ماننا جائز ہوتا مگر اب تو یہ واقعہ بھی شرف و اعزاز مصطفیٰ ﷺ کے عجائبات میں شامل ہو چکا ہے اور اس کا انکار الحاد کے زمرے میں آتا ہے، اسے ثابت کرنے کی توفیق ہمارے لئے اللہ رب العزت کا خصوصی فضل و کرم ہے! ہم فرزند ذبحین والی بات کو ایک ایسی حقیقت ثابتہ مانتے ہیں جو ہمارا ایمان ہے، یہ اب صرف تاریخی حقیقت ہی نہیں رہی بلکہ شرعی سچائی بھی بن چکی ہے!

حواشی و حوالہ جات

(۱) تاریخ الخلفاء ۱/۱۸۳، الوفا ۲۷۵، ابتدائی دور کے مؤرخین اور سیرت نگار ”ابن الذبحین“ کی بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بالکل جیسے مکی عبد سیرت میں دار ارقم کو بھی اکثر لوگوں نے سرسری سی اہمیت دی ہے حالانکہ ابن سعد، طبری اور ابن الاثیر جیسے ثقہ مؤرخ و سیرت نگار ”دار ارقم“، کو ”دار الاسلام“، لکھتے ہیں جو مشرکین کے دار الندوہ کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں کا محور و مرکز تھا بلکہ اکثر مؤرخ تو اسے عام القیل کی طرح دار ارقم میں نبی رحمت کے نزول کو بھی نقطہ تاریخ یا کینڈر کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں واقعہ آپ کے دار ارقم میں فروکش ہونے

ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ ☆ اکتوبر ۲۰۱۳ء

﴿۶۷﴾

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی

کے بعد کا ہے یا پہلے کا ہے، اسی طرح حضرت نجاشیؓ کو بھی ابتدائی دور کے لوگوں نے محض سرسری سائناتاریخی واقعہ سمجھا ہے! مگر حال کی حدسیرت کے بے شمار پیلو فوسٹری اور غفلت کی زد میں رہے ہیں، انہی میں سے ایک ابن الذہنین والی بات بھی ہے، بھلا ہوتا خردور کے ثقہ محدثین، مفسرین اور مؤرخین کا جنہوں نے اس بات کو پوری اہمیت دی اور ہمارے لئے نہایت قیمتی سرمایہ معلومات مہیا کر گئے جن میں سے امام ابو عبد اللہ الحاکم صاحب المستدرک علی التّحسین، ابن الجوزی، امام شوکانی، سیوطی، صاحب کنز العمال، اور امام سیوطی خصوصی ذکر اور ہمارے شکر کے مستحق ہیں!

(۲) حمزہ ص ۱۴-۱۵، طبقات ۱/ ۶۷-۸۷، تاریخ الخلفاء ۱/ ۱۸۶۔

(۳) قرآن کریم ۱۰۱/ ۳-۱۱۳۔

(۴) تاریخ الخلفاء ۱/ ۱۸۷-۱۸۷۔

(۵) طبری ۲/ ۱۸۷-۲۰۱، الکامل ۲/ ۱۳۵-۱۳۹۔

(۶) تاریخ الخلفاء ۱/ ۱۸۲-۱۸۳، ابن ہشام ۱/ ۱۰۳، الرض ۱/ ۱۰۳، طبقات ۱/ ۱۶۷۔

(۷) قرآن کریم ۲۲/ ۲۵-۲۷۔

(۸) کتاب مقدس ص ۲۱۶، عبدالستار غوری: ذبیح کون ہے۔

(۹) تاریخ الخلفاء ۱/ ۱۸۶۔

(۱۰) قرآن کریم ۱۰۱/ ۳-۱۱۳۔

(۱۱) کتاب مقدس ص ۱۶-۱۸ (۱۲) ایضا (۱۳) ایضا (۱۴) ایضا

(۱۵) قصص القرآن ۲/ ۲۱۷۔

(۱۶) قرآن کریم ۱۴/ ۲۵-۳۱، کتاب مقدس ص ۱۶-۲۱، روح المعانی ۱۲/ ۲۷۵۔

(۱۷) ایضا۔

(۱۸) روح المعانی ۱۲/ ۲۷۶-۲۷۷۔

(۱۹) قصص القرآن ۲/ ۲۱۶، روح المعانی ۱/ ۲۷۶۔

(۲۰) قرآن کریم ۲۲/ ۲۷-۳۲۔

(۲۱) ایضا ۱۰۱/ ۳-۱۱۳۔

(۲۲) کتاب مقدس (اردو ترجمہ) ص ۲۱-۲۲۔

(۲۳) ابن ہشام/۱۰۳، الروض/۱۰۳، طبقات/۱-۶۷، تاریخ الخلفاء/۱۸۲-۱۸۳

(۲۴) ایضاً۔ (۲۵) ایضاً۔ (۲۶) ایضاً۔ (۲۷) ایضاً۔

(۲۸) تاریخ الخلفاء/۱۸۲-۱۸۳، الوفا ص ۲۷۳۔

(۲۹) الاغانی/۱۰-۲۱۶۔

(۳۰) طبقات/۱-۶۶-۸۸۔

(۳۱) ایضاً، محاضرات/۱-۳۸۶

(۳۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: مکہ مکرمہ کی اولین شہری حکومت۔

☆☆☆

القسم العربی

مجلة الفقه الاسلامی

تصاویر

الأكاديمية الفقه الاسلامی المعاصر

ص ۷۷۷۷ گنن (فصل)

کراتش پاکستان

رئیس التحریر

الاستاذ الدكتور / نور احمد شاهتاز

☆.....

مساعد رئیس التحریر

الدكتور محمد صحبت خان

الاستاذ غلام نصیر الدین نصیر

فهرس الموضوعات

۷۰

مع مصطلح الفطرة